انوار احمد کے افسانوں میں جبر کے موسموں کی عکاسی
(سیاسی واقعات اور ماحول کے حوالے سے)

شازیہ عندلیب

Shazia Andaleeb

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Govt. College Women University, Faisalabad.

ڈاکٹر رخسانہ بلوچ

Dr. Rukhsana Baloch

Assistant Professor, Department of Urdu,
Govt. College Women University, Faisalabad.

Abstract:

Dr. Anwar Ahmad wrote stories not only social topics but also on the political matters, especially about the ill effects of Martial Law doctrine Ayyub when and other Dictators. In a story about the people migrating out of home land he mentions that and remits their parents. Hardly there might be any aspect of life on which Dr. Anwar Ahmad has not written, may it be love, inanity, cruelty, religious misdeed or political irregularities.

ڈاکٹر انوار احمد نے جب شعور کی سیڑھی پر قدم رکھا تو وطن پاک کو ایوب خان کی آمریت کے شکنجے میں جکڑا ہوا پایا۔ یہ دور سیاسی وسماجی لحاظ سے نہایت ابتری کا دور تھا بعد ازاں ضیاء الحق کے دور نے اور بھٹو کی پھانسی نے ملک میں مایوسی کی فضا قائم کر دی۔ حتی کہ اظہارِ رائے پر پابندی لگا دی گئی۔ کوئی اپنی مرضی کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کرتا تو جرم ہو جاتا حتی کہ مصنفین کو بھی پابند کر دیا گیا۔ وہ ذہنی طور پر قید ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر طاہرہ اقبال لکھتی ہیں:

> ''حکومت نے تحریر و تقریری پابندی عائد کر رکھی تھی اور اخبارات اور رسائل کے مدیران کو ان کی خلاف ورزی پر خوف زدہ کیا جا رہا تھا۔ حکومت نے پروگریسو پیپر پر قبضہ کر لیا۔ احمد ندیم قاسمی اور فیض احمد فیض جیسے ادیبوں اور اخبارات کے مدیران کو زیرِ حراست لے لیا گیا اور قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار کیا گیا۔ یہ وہ دور ہے جب ادب کی موت اور جمود وغیرہ کی باتیں ہو رہی تھیں۔''(۱)

ستر کی دہائی کے آغاز میں مارشل لاء کے خلاف معاشرتی اور سیاسی طور پر ردِ عمل کا آغاز ہوا جس نے مزاحمتی ادب کو

فروغ دیا۔افسانے نے ایک بار پھر نیا رخ لیا مگر مارشل لاء کی طرف سے لگائی گئی پابندی اظہار وافکار کی بدولت علامتی اسلوب اور تجریدی ہیئت کو ہی اپنایا۔حقائق کو امیجز ،علامتوں، داستانوی اسلوب، اساطیری انداز میں اور سات پردوں میں چھپ کر پیش کیا جانے لگا۔اسی دوران پاک بھارت جنگ نے وطن عزیز سے محبت کو اجاگر کیا مگر جمہوریت پر مارشل لاء کا شب خون جاری رہا۔اس دہائی میں کچھ واقعات ایسے بھی ہوئے جس نے دماغ اور دل کو ہلا کر رکھ دیا یعنی ضیاء الحق کا بدترین مارشل لاء، بھٹو کی پھانسی، سقوط مشرقی پاکستان ان واقعات نے ملکی معاشی، سیاسی سطح پر گہرے اثرات رونما کیے اور ادب کو بھی موضوع، فکر کے حوالے سے نئے چیلینجز سے دوچار کیا خوف وہراس، بے سمتی منافقت، تنہائی، عدم اعتمادی ادب کا موضوع بنے رہے:

> ''مارشل لاء کے ابتدائی دور میں خوف اور حیرت کا عنصر اتنا زیادہ تھا کہ زبانیں گنگ سی رہ گئیں پکڑ دھکڑ اور فوجی کرب اور مارشل لاء کے اندھے قوانین نے بھی سہا دیا تھا۔''(۲)

یہ زمانہ انوار احمد کے تخلیقی سفر کو عروج تک پہنچانے کا ہے۔ان کے ہاں رنگا رنگ موضوع کے انتخاب اسی سیاسی آشوب کی دین ہے۔ان کے افسانوں میں خاص طور پر بچھوؤں کے ساتھ ایک رات، پہلا محبّ وطن بچہ، بیچ والا آدمی، پرغمالی، کمال بتی، جبڑا چوک حلفیہ بیان، آخرت ایکسپریس میں یہی ملکی سیاسی صورتِ حال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔شوکت نعیم قادری لکھتے ہیں:

> ''ملکی سیاسی وسماجی صورتحال بھی ان کے افسانوں میں نمایاں ہے دورِ آمریت اور اس کے اثرات یعنی پابندی''افکار واظہار جو حب الوطنی کی دلیل ٹھہرتی ہے۔مذہبی Exploitation استحصابیوں کے خلاف کمزور ترین جذبہ ایمانی۔ایسے میں ہمارے ادبا، اصحاب فکر ودانش اور سیاسی رہنماؤں کا کردار یہ وہ تمام موضوعات ہیں جوان کے افسانوں کو اہم بناتے ہیں۔''(۳)

انوار احمد نے آئین کو جس طرح ایوب خان کی آمریت کے شکنجے میں جکڑا ہوا پایا اور ۱۹۵۹ء میں بنیادی، جمہوریتوں کے انتخاب میں فیلڈ مارشل جنرل ایوب خان نے جس طرح مادرِ ملت فاطمہ جناح کو دھاندلی سے شکست دی تو انوار احمد کے رومانی مزاج نے جمہوریت کو اپنی محبوبہ کا روپ دیا۔اپنے طور پر ہمیشہ آمرانہ ہتھکنڈوں کے خلاف قلمی جنگ جاری رکھی اور جب ذوالفقار علی بھٹو کا دور آیا تو اس عوامی لیڈر کے وعدوں میں جمہوریت کو ماننے والوں کو اپنی منزل صاف دکھائی دینے لگی مگر ضیاء الحق نے ایک بار پھر غریب عوام کے خوابوں کو کچل کر رکھ دیا۔اور یہی نہیں بلکہ جمہوریت کے رکھوالے ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی پر لٹکا دیا۔بھٹو انوار احمد کے محبوب لیڈر تھے اور ان کی پھانسی ایک ایسا واقعہ تھا جس نے ان کے دل اور دماغ پر گہرا اثر ڈالا۔انہوں نے افسانے کو اپنی تبدیلی کا وسیلہ بنایا اور ایک باشعور اور روشن دماغ ادیب کا کردار نبھایا:

> ''بھٹو کی پھانسی اور ضیاء الحق دور کی بندشوں نے کہانی کو میرا جذباتی رفیق اور اپنے جیسے رومانی سادہ قوموں سے رابطے کا وسیلہ بنا دیا جو یہ سمجھتے تھے کہ ان کی کہانیوں اور شعروں سے سچے پمفلٹ اسے امریکی منشاء سے منسلک ہمارے فوجی کی بندوق کا رخ اور جج کے قلم کا تیور بدل سکتا ہے۔''(۴)

''درداں دی ماری دلڑی علیل اے'' وہ افسانہ ہے جو انہوں نے بھٹو کی پھانسی کے موقع پر تحریر کیا۔اس افسانے کے بارے میں انوار احمد اپنی کتاب ''یادگار زمانہ ہیں جو لوگ'' میں مرزا بن حنیف کے خاکے میں لکھتے ہیں:

''بھٹو کی پھانسی پر ایک افسانہ لکھا تھا'' درداں دی ماری دلڑی علیل اے'' (بھٹو نے سپریم کورٹ میں اپنے سہ روزہ تاریخی بیان کا اختتام اس مصرعے پر کیا تھا) جب میں نے اردو اکادمی میں یہ افسانہ پڑھا تو کافی جذباتی اور سوگوار فضا تھی، سو اس وقت احباب کو یہ افسانہ کافی موثر محسوس ہوا۔''(۵)

تمام ملکی اداروں کی باگ ڈور صرف ایک ہی ہاتھ میں تھی۔ مارشل لاء کی جھوٹی روشنی عام انسان کی آنکھوں کو کبھی بھی روشن نہ کر سکی۔ بلا وجہ کی روک ٹوک اور سخت قوانین نے عوام کو فوجی حکومت سے بدظن کر دیا۔ ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں:

''۱۹۵۸ء کے مارشل لاء نے خراب سیاسی نظام کو سنبھالنے کی بجائے اسے طرح طرح کے مسائل سے دوچار کر دیا۔ ایک سیاسی وفکری خلا پیدا ہو گیا جس کے نتیجے میں معاشرتی سفر کا رخ خارج سے باطن کی طرف مڑا۔ موضوعات کی بجائے فنی اور لسانی بحثوں نے اہمیت حاصل کی۔ ۱۹۶۰ء کے قریب نئی لسانی تشکیلات کی بحث نے نظم کو زیادہ اور اس کے بعد افسانے کو متاثر کیا۔''(۶)

سیاسی پس منظر میں لکھے جانے والے ڈاکٹر انوار احمد کے افسانے ہماری قومی تاریخ کے آئینہ دار ہیں، شب خون بھٹو کی پھانسی، منافقت، مکر، فریب کے ذریعے علمبرداروں کی قیمت لگانے کی کوششیں جمہوریت کے لیے محبت رکھنے والے لوگ، نرم دل انسانوں کی تذلیل مارشل لاء کی آندھی کو تیز کرنے کے لیے یہ تمام ہتھکنڈے اپنائے گئے۔ کبھی مذہب کی آڑ میں تو کبھی ترقی کے خواب دکھا کر۔ یہ سب ان کے افسانوں میں موجود ہیں۔ انوار احمد کے افسانے ہماری قومی تاریخ کے ایک اہم دور کی عکاسی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ ترجمانی براہ راست نہیں ہے۔ بلکہ ایک سچے مصنف نے جو کچھ دیکھا محسوس کیا وہ سب اپنی کتابوں میں ایک موثر انداز میں لکھ کر محفوظ کر دیا۔ بے شک یہ کمال افسانہ نگار کا ہے۔ وہ ایک خاص دور کی خصوصیات کو قلم بند کرتا ہے تا کہ آنے والی نسلیں اس دور کی تاریخ مرتب کر سکیں۔ اس طرح ادب اور تاریخ کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔ ملکی سیاسی صورتحالی، مارشل لاء اور بھٹو کے پس پردہ لکھے گئے افسانوں میں پہلا محبّ وطن بچہ ملکی سیاسی صورتحالی کے تناظر میں انوار احمد کا وہ افسانہ ہے جس میں انہوں نے مارشل لاء کے نتیجے میں جنم لینے والی تنگ نظری والے فن کو پیش کیا ہے۔ ہر کوئی تو بظاہر خوش دکھائی دے رہا تھا۔ مگر انہیں سکون نہیں تھا اپنی مرضی سے زندگی گزارنے پابندی لگا دی گئی تھی:

''یہ شہر چھ ہزار برسوں سے مسلسل آباد ہے، اب کہنے کو تو وہ شہر بہت سے معاملات میں خود کفیل تھا۔ کھیس دری سے لے کر عصمت دری تک، اخبار، ریڈیو سے لے کر چرس افیون تک، ادیبوں، شاعروں سے لے کر خون بیچنے والوں تک، تعلیمی اداروں سے اکھاڑوں تک، تفریح گاہوں سے قبرستانوں تک اور سورج طلوع کرنے والی کوٹھیوں سے لے کر شعاع کو ترسنے والی گلیوں تک، مگر اسے یوں محسوس ہوتا، جیسے ہر چیز میں سے اصل چیز نکل گئی ہے۔ بدروح کو، اور مکان، مکیں کو ترستے ہوئے!''(۷)

بعض دفعہ ہماری سوچ وفکر پر پہرہ لگنے کے بعد ہم سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے ناواقف ہو جاتے ہیں۔ آنکھیں ہوتے ہوئے بھی حقیقت سے کنارہ کر لیتے ہیں ٹانگیں رکھتے ہوئے بھی سہاروں کے محتاج ہو کر رہ جاتے ہیں۔ شاید ہمارا ضمیر ہی

مر گیا ہے۔ مارشل لاء کے اس بدترین دور میں جب گونگا ہونا ہر اہل وطن پر واجب ٹھہرا دیا گیا اہل قلم اور اہل علم سے کہا گیا صرف اتنا ہی لکھیں اور سنائیں کہ جتنا ان سے کہا جائے۔ حکومت کے خلاف لکھنا یا کہنا ملک سے غداری قرار دے دیا گیا۔ رشید امجد لکھتے ہیں:

''مارشل لاء کے اثرات آہستہ آہستہ سرایت کر کے معاشرے کی اندرونی پرت تک پہنچ گئے خوف اور بے سمتی کی فضا نے داخلیت اور نئی مابعد الطبیعاتی فکر کو جنم دیا۔ دوسری طرف شخصیت کی دریافت، باطنی شکست وریخت، ایک شخص میں کئی شخصیتوں کی تلاش اور مجمع میں تنہائی کا احساس نمایاں موضوع بن گئے۔''(۸)

انوار احمد نے طنز و تلخی کے انداز میں ایسے دور کا المیہ سنایا ہے جو سیاسی حوالے کا پر آشوب زمانہ ہے۔ اس طرح ایک ہی کہانی میں انوار احمد نے بھٹو کے ساتھ ہوئی ناانصافی اور ملکی صورتحال کو بیان کیا ہے۔ ان کی نظر میں بھٹو محبّ وطن اور نڈر لیڈر تھے۔ انہوں نے حالات کا مقابلہ جرأت مندی سے کیا اور اپنے حوصلے کو پست نہیں ہونے دیا۔ بھٹو کی پھانسی نے ان کی شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ان کی تحریروں میں اس قومی سانحے کی گونج سنائی دیتی ہے۔ ۱۹۸۰ء میں لکھا گیا افسانہ نہایت اہمیت کا حامل ہے تب بھٹو کی پھانسی کو ایک ہی سال کا عرصہ گزرا تھا اس افسانے میں انوار احمد لے اپنے محبوب لیڈر کی بے باک اور بہادری کو علامتی اسلوب میں بیان کیا۔

''سمندر کے عین سینے میں پیوست ہونے سے پہلے اس نے اپنے ساتھیوں کے بارے میں سوچا، ساحل پر جن کی خندقیں قبریں بن چکی تھیں۔''(۹)

وہ بھٹو کو دلیر اور نڈر لیڈر سمجھتے تھے جو طوفانوں سے نہیں ڈرتا بلکہ ہر طوفان کو مات دینے کو تیار ہے۔ ان کے نزدیک اقتدار میں تو ہر لیڈر رہی سب کا محبوب ہوتا ہے لیکن اصل میں بے باک اور جرأت مند لیڈر وہ ہوتا ہے جو اقتدار کے بعد بھی سب کا محبوب ٹھہرے۔ انوار احمد کے نزدیک بھٹو ایک باحوصلہ لیڈر تھے۔

''کڑکتی بجلی نے قہقہہ لگایا اور ایک لہر کشتی کو الٹنے کے زعم میں آگے بڑھی، کشتی ہوا میں بلند ہوئی حواس پر بارش چڑیل بن کر رقص کرنے لگی، مگر نجانے اس کے بازوؤں میں چپوؤں میں، کیا مقناطیسی کشش تھی کہ کشتی سیدھی پانی میں دھم سے گری جس پر سمندر بپھر گیا۔''(۱۰)

یہ علامتی اسلوب میں لکھی گئی کہانی ہے۔ اس میں بچھو غیر ممالک ہیں یعنی مارشل لاء کے آقاؤں کے رکھوالے ہیں۔ اور ان بچھوؤں کی حفاظت کرنے والا اندھیرا اس ملک کے وہ حکمران جوان کا ڈنگ پورے گھر (ملک) میں پھیلا رہے ہیں ''گونگی ماں'' دھرتی کے لیے استعارہ استعمال ہوا ہے اور باپ وہ طاقت ہے جو حق کی خاطر آواز بلند کرنے کی بجائے اپنے بچوں کو حوصلے پست کرنے کا سبق پڑھا رہا ہے:

''مگر اندھیرے کا اسرار اور بچھوؤں کا میرے لیے راستہ چھوڑنا وسوسہ پیدا کرتا ہے، یہی وسوسہ رات کا شر ہے۔ اور میں ڈرتا ہوں رات کے شر سے۔''(۱۱)

انوار احمد نے اپنی کتاب ''یادگار زمانہ ہیں جو لوگ'' میں اپنے استاد ''عرش صدیقی کے خاکے میں لکھا ہے بچھوؤں کے ساتھ ایک رات میں باپ عرش صدیقی کی شخصیت ہے۔ انوار احمد نے یہ افسانہ ضیاء الحق کے دور میں لکھا جب قید و بند کی صعوبتیں

اساتذہ کو اٹھانا پڑ رہیں تھیں۔لیکن عرش صدیقی نے مصلحت کے تحت ذہنی اذیت کو برداشت کرتے ہوئے حکومت سے مصالحت کا رویہ روا دکھا۔لیکن انوار احمد اور ریگر ساتھی ان سے ناراض تھے کہ انہوں نے بہادری سے کام نہیں لیا۔

''جب میرے باپ نے زہریلے لہجے میں پوچھا'' ان سب بچھوؤں کو تم مار سکتے ہو؟'' میں روتا ہوں کہ کیا بیٹے سے باپ کو یہی کہنا چاہیے، وہ مجھے یہی کہہ دیتے کہ رات کے ختم ہونے کا انتظار کرو۔''(۱۲)

ملک کے نامور حکمران جو ملک میں لوٹ مار کو اپنا فرض اور حق سمجھتے ہیں ملک میں بسنے والوں کے لیے برے حالات اور تنگ دستی کا عالم بنا دیتے ہیں۔عوام جتنی بھی کوشش کر لیں اپنے دن نہیں پھیر سکتے لیکن ان حالات میں مقابلہ جرأت مندی سے ہی کہا جا سکتا ہے اور اگر سر پر ہاتھ رکھنے والے بزرگ ہی ناامید ہو جائیں تو حوصلے پست ہو ہی جاتے ہیں: یہ حوصلے پست ہو کر اس ٹھکرائی ہوئی محبت کی طرح ہوتے ہیں جو سینے پر بیٹھے سانپ کی طرح ہر وقت ڈنگ مارتی رہتی ہے۔

''گرجھوں والی سرکار کی دعا'' مارشل لاء اور بھٹو کی پھانسی کی عبرت ناک داستان ہے، اس میں ''دکھی ماں'' علامتی کردار ہے جس کا آدھا ننگا سر، آدھے پاکستان کی علامت ہے۔یہ دکھی ماں اپنے جوان بیٹوں کے ساتھ ہونے والے ظلم وستم کی داستان بیان کر رہی ہے جو کہ دراصل ملک کے ہمدرد، وفادار دانشور ہیں۔وہ فریاد کرتی ہے:

''اور سائیں گرجھوں والی سرکار! اس سے پہلے کہ یہ میرا ادھا سر بھی ننگا ہو جائے، اس دستی کُون برباد چاکر جو ظلم تے قہر کے برباد ہونے کا نیا راستہ نظر نہیں آتا'' گرجھوں والی سرکار۔''(۱۳)

انوار احمد حقیقت پر گہری نظر رکھتے ہیں وہ طنز کے تیر اس طرح برساتے ہیں کہ تلخ کہانی کے حسن اور افسانے کے فنی رموز بڑھانے کا باعث بنتے ہیں۔ انوار احمد کا یہ کمال ہے کہ وہ دکھ اور غصے کے عالم میں بھی فن کے تقاضوں کو نہیں بھولتے۔ان کا موازنہ سعادت حسن منٹو کے تخلیقی تجربے کے ساتھ کیا جائے تو یقیناً ان پر اک بڑے افسانہ نگار کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ کرداروں کی جاذبیت، سماج سے متعلقہ مسائل کی ترجمانی اور زمانے کے بدلتے ہوئے رُجحانات سے ہی دونوں اپنی کہانی کا تانا بانا بُنتے نظر آتے ہیں۔بقول اصغر ندیم سید:

''افسانوں کے عنوان سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ انوار احمد اپنی شخصیت کے اسرار سمیت کہانی کے تار پور میں موجود ہے جس طرح سعادت حسن منٹو اپنے لوازمات سمیت کہانی کے ہر کونے کھدرے میں موجود نظر آتا ہے اسی طرح انوار احمد جذباتی بہاؤ میں افسانے کی ساخت کے ساتھ ساتھ پہلو بدلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔''(۱۴)

ملکی سیاسی حالات واقعات پر لکھے جانے والے دو افسانے ''یرغمالی'' اور آخرت ایکسپریس بہت اہم ہیں۔دونوں ۱۹۹۰ء میں ہی لکھے گئے یرغمالی علامتی اسلوب میں لکھا گیا جس میں ٹرین اپنے اسٹاپ کے بغیر رکنا جمہوری حکومت کا وقت سے پہلے ہی ختم ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔اجنبی وہ ڈاکو ہیں جنھوں نے زور طاقت سے حکومت کو معطل کر دیا ہے:

''ڈاکوؤں نے ہمیں یرغمالی بنا لیا ہے''(۱۵)

افسانہ ''آخرت ایکسپریس'' میں ملکی صورتحال کا جائزہ لیا گیا ہے اور نیو ورلڈ آرڈر کے نفاذ کے لیے عالمی قوتیں کس

طرح اپنی زور آزمائی کر کے پاکستان کی کمزور حکومتوں کو اپنے بس میں کرتی ہیں اور ان حکومتوں نے مذہب کے نام پر کس طرح سادہ عوام کے جذبات کو مجروح کیا ہے یہ سب ان کے افسانوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ اس طرح وزیر اعظم نے عوام کو جذباتی طور پر کس طرح اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کی ملاحظہ فرمائیں۔ وزیر اعظم نے بے چینی سے وزیر مذہبی امور کی طرف دیکھا اور کہا:

''یہ بجٹ اسپیچ آپ مکمل کریں گے، قوم کو قربانیوں کے لیے تیار کرنا ہے، اس میں اسلام کا فلسفہ قربانی ڈال دیجیئے ، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت امام حسین والے مشہو ریفرنسز۔''(۱۶)

اس طرح اپنے مفاد کی خاطر عالمی طاقتوں کے سہولت کار بننے والے وہ مذہبی علماء جو معصوم لوگوں کو دین اسلام کے نام پر اپنے اعتماد میں لیتے ہیں اور عالمی طاقتوں کے ایجنڈے زہر کی طرح پھیلاتے ہیں۔ وہ صرف اور صرف مفاد پرست لوگ ہوتے ہیں جو صرف منفی طاقتوں کی انگلیوں پر رقص کرتے ہیں اور سادہ لوح لوگوں کو دین کے نام پر بلیک میل کرتے ہیں۔

''گلف کی وجہ سے نئے ورلڈ آرڈر کو دنیا پر پھیلانا ہے''

''یس سر، مولانا نصرانی آئے ہوئے ہیں''.....

ان کا کنٹریکٹ ری نیو کر دو، دو سال کے لیے پریوس ٹرمز پر''

وہ بیٹر ٹرمز مانگتے ہیں، انفلیشن کے سبب۔''(۱۷)

مارشل لاء کے نتیجے میں ہونے والے مظالم پر بھی گہری تنقید کی گئی ہے کہ کس طرح جبر کے موسموں میں اظہار رائے پر پابندی تھی حتی کہ بھٹو کی پھانسی پر بھی اظہار رائے جرم کے زمرے میں شمار ہوتا تھا۔ یہ سب موضوعات ان کے افسانوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ آزادی رائے تو بہت دور کی سوچ تھی اپنے دکھوں پر کھل کر ماتم کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ ہر طرف جبر ہی جبر تھا جیسے سب قید تنہائی میں زندگی گزار رہے ہوں:

''ذرا دیر بعد ہوش آیا وہ رونے لگا۔ فوراً اس پر ایک باز جھپٹا۔ تب ہم پر کھلا کہ ہمیں گریہ کا حق بھی نہ ملا۔ کہ ہم سکتے کے حالات سے باہر آسکیں۔''(۱۸)

''حلفیہ بیان'' بھی سیاسی پس منظر اور ملکی سیاسی و سماجی صورتحال کے عین مطابق لکھا گیا اہم افسانہ ہے اس میں تین اہم کردار ہیں پہلا محمد سلیم جس کے مقدر میں بار بار گم ہو جانا، اور دکھ بھری زندگی ہے۔ یہ دراصل پاکستانی قوم کی طرف اشارہ ہے جس کا نصیب، بدحالی، بے روزگاری اور فطری طور پر احساس کمتری ہے۔

''گم ہونے والے مزدور کی بیوہ بہن راکھ اپنے بالوں میں ڈال کر بین کر رہی تھی اور چھ ڈرے ہوئے بچوں کے لیے انصاف مانگ رہی ہیں۔ اس گھر کا یہ منظر غیر معمولی نہ ہوتے ہوئے بھی وحشت ناک تھا۔''(۱۹)

ضیاء الحق کے طیارے کے دھماکے، اوجھے ہتھکنڈوں اور مارشل لاء کے مظالم انوار احمد نے اس بدترین دور کی عکاسی کی ہے۔ جس میں اہل قلم اور دانشوروں کو محدود کر دیا اور ان کو کہا گیا کہ جتنا ان سے کہا جائے صرف اتنے کی ہی تصویر کشی کریں۔ ان کا ذہن رسا اور مشاہدہ تیز ہے۔ وہ واقعات اور حقائق کو بڑی جامعیت کے ساتھ افسانے کا رنگ دیتے ہیں کہ وہ حقیقت معلوم ہوتا ہے ۔ سیاسی مسائل ہوں یا سماجی اقدار کی پامالی کا تذکرہ یا تہذیبی رویے وہ بڑی مہارت کے ساتھ اسے احاطۂ قلم میں لاتے ہیں:

''بس اتنا یاد ہے کہ جہاز کی گرگراہٹ اس کے تنے ہوئے اعصاب پر ایک دم سے آ کے گری، ایک زوردار دھماکہ ہوا اور پھر بیرک میں ایک کے بعد ایک دھماکے ہوتے چلے گئے، ہوا میں مٹی، دھواں، کوڑے مارے اور کوڑے کھانے والوں کی کھالیں جلنے کی بو اور بے سمت چیخیں شامل ہو گئیں۔''(۲۰)

ہر افسانے کا سن اشاعت نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کا تعلق افسانے کے موضوع سے ہے اور اس وقت کے موضوع سے ہے۔ ۱۹۸۸ء میں لکھا گیا افسانہ کمال بستی جبڑا چوک جب لکھا گیا تب ضیاالحق طیارہ حادثہ نیا نیا تھا۔ مارشل لاء کے ضمن میں ہونے والے ملکی نقصان پر بھی انوار احمد گہری نظر رکھتے ہیں۔ یقیناً ان کے افسانوں میں پاکستان کے عہدِ ماضی کی تاریخ اپنے پر پھیلائے کھڑی ہے۔ زندگی اور اس سے متعلقہ مسائل ان کے قلم کی گرفت سے دور نہیں بھاگ سکتے۔ انھوں نے درحقیقت پاکستان کا معاشی ڈھانچہ، سیاسی اکھاڑ پچھاڑ اور خاص وعوام کے تہذیبی رویوں پر باکمال طنز کیا ہے:

''یہ دیکھو منفعت بخش کرسیاں خالی پڑی ہیں۔ زکوٰۃ، عشر، اوقاف، ایکس پورٹ امپورٹ اور ارباب وطن کی صدیوں کی تذلیل کا بدلہ لینے والی پٹریوں کی فیکٹری کالے دھن کو پاکیزہ بنانے والے بیرر بانڈ اور پھر دنیا کے ساتھ ساتھ اچھی عافیت کی ضمانت میں جاری مارشل لاء آرڈر۔''(۲۱)

درج بالا بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انوار احمد ملک کے سیاسی مسائل کی ہی عکاسی نہیں کرتے بلکہ مختلف ادوار میں ملک کو ہونے والے خاطر خواہ نقصان اور ان مسائل کے پس پردہ عناصر کو بے نقاب کرتے ہیں۔ وہ اپنے ملک سے بے انتہا محبت کرتے ہیں اس لیے اس ملک کے نقصان کو برداشت نہیں کرتے۔ ڈاکٹر اے بی اشرف کا کہنا ہے:

''انوار احمد کو اپنی مٹی سے پیار ہے وہ اپنی دھرتی کا شیدا ہے اس لیے اپنی دھرتی کا استحصال نہیں دیکھ سکتا خواہ یہ اپنوں کے ہاتھوں ہو یا غیروں کے ہاتھوں۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ مٹی بھی اتنی ہی مظلوم ہے جتنا کہ اس مٹی کو عزیز رکھنے والے لوگ کیونکہ اس مٹی سے جو محبت کرتے ہیں وہ اپنی مٹی کی کوکھ سے جنم لینے والی نعمتوں سے محروم رہتے ہیں اور جو اس مٹی کو اپنی مٹی نہیں سمجھتے۔ وہ اس مٹی کا دودھ بھی پیتے ہیں۔ اس کے تھنوں کو چوستے ہیں۔ اور پھر اس پر تھوک بھی دیتے ہیں کہ ان کو اس دھرتی سے پیار ہے نہ وہ اسے اپنا سمجھتے ہیں۔ متمع ہونے کے بعد اس کو ٹھکرا دینے والے لوگوں کو انوار احمد پہچانتا ہے اور اس لیے ان کو بے نقاب کرتا ہے۔ وہ اپنی مٹی کے دشمنوں کو بخشتا نہیں ہے۔ اب یہ اور بات ہے کہ وہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔''(۲۲)

انوار احمد اپنے وطن سے محبت کرتے ہیں۔ وہ اپنے ملک میں کوئی بھی ظلم وزیادتی ہوتے نہیں دیکھ سکتے چاہے وہ زیادتی حکمرانوں سے ہو یا کسی اور سے۔ ان کے افسانوں میں سماجی اقدار اور تہذیبی رویوں کے نئے زاویے ابھرتے دکھائی دیتے ہیں جس میں محبت کے عنصر کے ساتھ ساتھ اس پاک سرزمین کے ساتھ ان کا ازلی وابدی رشتہ اور یہاں کے سماجی وتہذیبی مسائل پر گہری نظر اِک اہم تخلیق کار کی صورت میں نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ طاہرہ اقبال، ڈاکٹر، پاکستانی اردو افسانہ، سیاسی وسماجی تناظر میں، لاہور: گلشن ہاؤس، ۲۰۱۵ء، ص:۲۷۴

۲۔ ایضاً، ص:۲۸۵

۳۔ شوکت نعیم قادری، انوار احمد۔ روشن آنکھوں والا کہانی کار، مشمولہ: سطور، شمارہ ۳، ملتان/لاہور: بیکن بکس، ۲۰۰۱ء، ص:۲۲

۴۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ تحقیق وتنقید، لاہور/ملتان: بیکن بکس، ۱۹۸۸ء، ص:۳۱

۵۔ انوار احمد، ڈاکٹر، یادگارِ زمانہ ہیں جو لوگ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۵ء، ص:۱۷۸

۶۔ رشید امجد، ڈاکٹر، پاکستانی ادب کے نمایاں رجحانات، مشمولہ: پاکستان میں اردو ادب کے پچاس سال، مرتبہ: ڈاکٹر نوازش علی، راولپنڈی: گندھارا بکس، ۲۰۰۵ء، ص:۲۳

۷۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، ادب اور ادبی قدریں، لاہور: ادارہ ادب وتنقید، ۱۹۸۳ء، ص:۹۲۔۹۱

۸۔ انوار احمد، ڈاکٹر، آخری خط، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۶ء، ص:۲۳

۹۔ رشید امجد، ڈاکٹر، پاکستانی ادب کے نمایاں رجحانات، مشمولہ: پاکستان میں اردو ادب کے پچاس سال، ص:۲۳

۱۰۔ انوار احمد، ڈاکٹر، آخری خط، ص:۱۱۲

۱۱۔ ایضاً، ص:۳۱

۱۲۔ ایضاً، ص:۳۳۔۳۲

۱۳۔ ایضاً، ص:۷۰

۱۴۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ایک ہی کہانی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، ص:۱۰

۱۵۔ انوار احمد، ڈاکٹر، آخری خط، ص:۷۶

۱۶۔ ایضاً، ص:۱۰۷

۱۷۔ ایضاً، ص:۱۰۷

۱۸۔ ایضاً، ص:۴۲

۱۹۔ ایضاً، ص:۹۵

۲۰۔ ایضاً، ص:۶۵

۲۱۔ ایضاً، ص:۶۸

۲۲۔ اشرف، اے۔بی، ڈاکٹر، مرتبہ: شاعروں اور افسانہ نگاروں کا مطالعہ، انوار احمد بحیثیت افسانہ نگار، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص:۴۷۵

☆.....☆.....☆